Academic Discipline for Quranic Higher Education

تخصص علوم و حکمت قرآن کے لیے مقررہ نصاب کے مطابق

اصطلاحات قرآن



الاستاذ: ابوالفضل نور احمد سندھی

ناشر

حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ

جامع مسجد ربانی، ہائی وے کالونی، سیکٹر C-18، اسکیم -33، نزد جمالی پُل، M-9 موڑوے، کراچی

فون: 0313-2707097

www.hikmatequran.org hikmatequran@gmail.com Hikmat-e-Quran Institute

اَلدِّیْن کے معنی طاعت اور جزا کے آتے ہیں۔ (مفردات راغب) اس کے معانی غلبہ، اقتدار، قانون، نظم و نسق، جزا و سزا اور بدلہ کے بھی آتے ہیں۔ کتاب الاشتقاق میں اس کے معنی اطاعت، روش اور ملت کے لکھے ہیں۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ ان تمام معانی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹) ”دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔“

وَ مَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ (النساء: ۱۲۵)

”اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکم خدا کو قبول کیا اور وہ نیکوکار بھی ہے۔“ سورۃ البقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ وَصّٰی بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ (البقرہ: ۱۳۲-۱۳۱)

”میں اس کے حکموں کا فرمانبردار ہو گیا جو تمام دنیا کا پروردگار ہے۔“ کو اَلدِّیْنَ کہا گیا ہے اور اگلی آیت میں اسی کو ہی اسلام کہا گیا ہے۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (آل عمران: ۸۳)

”کیا یہ (کافر) اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے طالب ہیں، حالانکہ زمین و آسمان میں سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔“ اگر یہ اس طرح کرتے ہیں تو یَبْغُوْنَ یعنی اپنے پیشرو پیغمبروں سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اسی طرح کی بات ہے تو پھر انہیں یقین کر لینا چاہیے کہ:

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (آل عمران:۸۵)

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔"

خارجی کائنات میں قوانین خداوندی کو قوانین فطرت کہا جاتا ہے۔ انسانوں کی دنیا میں اللہ کا قانون انبیاء کی وساطت سے وحی کے ذریعے ملتا ہے۔ یہ قانون اپنی مکمل اور آخری شکل میں قرآن حکیم کے اندر محفوظ ہے۔ اس کا نام الدین ہے۔ اس کے مطابق عمل کرنے کو الاسلام کہتے ہیں۔

دین اسلام شروع سے تمام انسانوں کے لیے سلامتی کا دین ہے بلکہ ارض و سما کی تمام وسعتوں میں اسی سلامتی کے نظام کی کار فرمائیاں ہیں۔ یعنی انسانوں کی زندگی میں قوانین شریعت کی فرمانبرداری کا نظام بھی اسلام ہے اور اشیائے کائنات میں قوانین الٰہی کی فرمانبرداری کا نام بھی اسلام ہے۔

سورت توبہ میں دینِ اسلام کو دین الحق کی مہر لگانے کی بات ان الفاظ میں واضح کر دی گئی ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (آیت ۳۳)

"وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس دین کو تمام (ٹھہرائے ہوے) دینوں پر غالب کر دے۔" اسلام ہی انسانیت کا آخری اور ابدی دین ہو گا۔ اسی اسلام کو پوری انسانیت کا دین ثابت کرنے کے لیے مسلمانوں کو شہداء علی الناس بنایا گیا۔ مسلمانوں کی یہ رہنمائی بھی کر دی گئی کہ یہ دین فطرت انسانی کا نمائندہ دین ہے یہ بات اپنے عمل سے ان تمام انسانوں کو باور کرانی ہو گی جو اس کا علم نہیں رکھتے۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۰﴾ (الروم:۳۰)

"پس تم اپنا رخ یکسو ہو کر دین حنیفی کی طرف کرو۔ اس دینِ فطرت کی پیروی کرو جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل کرنا جائز نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اس آیت میں خطاب پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعے اس کی پوری امت کی طرف ہے کہ تم یکسو ہو کر اللہ کے حقیقی دین کی طرف رکھو۔ حَنِيْفًا کی معنی ہے یکسو ہو کر یعنی شرک کے تمام علائق سے کٹ کر اس طرح اپنا رخ اس دین توحید کی طرف کرو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا رخ دین کی طرف کیا۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ فطرت کے بنانے والے اللہ نے اس دین کو انسانوں کی عین فطرت کے مطابق بنایا ہے۔ اس لیے یہ دین تمہاری فطرت کی آواز ہے اور تمہارے اپنے باطن کا خزانہ ہے۔ انسانی سعادتوں، نیکیوں اور بھلایوں کے تقاضے جو انسان میں ودیعت ہیں یہ دین انہی تقاضوں کا علمبردار ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خیر و شر اور حق و باطل کی معرفت اور نیکی کو اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کا جو جذبہ اس کی فطرت میں ودیعت فرمایا ہے یہ دین اسی فطری تعلیم کی یاد دہانی ہے۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۔ یہی دین سیدھا دین ہے یعنی یہ دین انسانی ہدایت کی پہلی سیڑھی "انسان کی فطرت" کے تقاضوں کا بھی علمبردار ہے اور انسانی ہدایت کی دوسری سیڑھی "انسان کی عقل" کے ساتھ اس کا براہ راست تعلق ہے۔ یہ انسانی ہدایت کے تیسرے بندوبست "وحی کی تعلیم" پر مشتمل ہے۔ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ تک

پہنچنے کا نہایت سیدھا اور قریبی راستہ ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ اسی دین کے متعلق پیغمبر کو اظہار کرنے کا حکم ملا:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ

(الانعام:۱۶۱)

"(اے پیغمبر!) کہہ دو میرے رب نے میری رہنمائی ایک سیدھی راہ کی طرف فرمائی ہے۔ فطری دین، ملت ابراہیم کی طرف یکسو ہو کر۔"

یہ نوع انسانی کو ملت ابراہیم کا ایک ہی دین عطا ہوا اور یکساں طور پر سب کو اسی کی تعلیم دی گئی۔ پھر جن پیروان مذہب نے دین کی وحدت اور عالمگیر حقیقت کو ضایع کر کے اپنے اپنے گروہ اور جتھے بنا لیے یہ صریح گمراہی ہے۔

یہ دین ایک ضابطۂ حیات کی صورت میں انسانوں کے لیے قرار پایا تو اس کی تعلیم انسانوں تک پہنچے اس کے لیے اس کا تفقہہ حاصل کرنے کا ارشاد ہوا:

وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

(التوبہ:۱۲۲)

"اور (دیکھو!) یہ ممکن نہ تھا کہ سب کے سب مسلمان (اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں (اور تعلیم دین کے مرکز میں آکر علم و تربیت حاصل کریں) پس کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آئی ہوتی کہ دین میں دانش و فہم پیدا کرتی اور جب (تعلیم و تربیت کے بعد) اپنے گروہ میں واپس جاتی تو لوگوں کو (جہل و غفلت کے نتائج سے) ہشیار کرتی تاکہ برائیوں سے بچیں۔"

قرآن حکیم نے دین کی دعوت کے لیے ہر قوم میں سے اسی قوم کے لوگوں کو دین

کا تفقہ حاصل کرنے کے بعد اپنی اپنی اقوام میں کام کرنے کا حکم دیا ہے کہ اس طرح کی دعوت موثر ہوتی ہے۔ قوم کے لوگ اپنی قوم کے مزاج شناس ہوتے ہیں اور وہ اس کے مطابق قول معروف اور قول حسن سے دعوت کا کام کرتے ہیں تو وہ کام زیادہ نتیجہ خیز ہوتا ہے۔

دین بطور نظام اور قانون کے لیے فرمایا گیا ہے وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ (التوبہ: ۲۹) "وہ (اہل کتاب) نظام خداوندی کی اطاعت نہیں کرتے۔" سورت یوسف میں دِیْنِ الْمَلِكِ (آیت: ۷۶) کے معنی بادشاہ کا قانون ہے۔ سورۃ نور میں جہاں زنا کی سزا کا ذکر ہے وہاں دین اللہ کی معنی اللہ کا قانون ہیں۔ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ (آیت ۲) "اور تم اللہ پر اور آخرت کے آنے والے دن پر یقین رکھتے ہو تو ایسا نہ ہو کہ قانون الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے ان (مجرموں) کے لیے نرمی اور مہربانی کا جذبہ تمہارا ہاتھ پکڑ لے۔" اسی طرح سورۃ توبہ میں جہاں سال کے بارہ مہینوں اور ان میں سے چار حرمت والے مہینوں کا ذکر ہے، کہا گیا ہے کہ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (التوبہ: ۳۶) اس میں بھی دین کے معنی ضابطۂ قانون ہے۔ دنیا میں انسان اگر اس ضابطۂ قانون کے مطابق معاشرہ قائم کریں تو سلامتی اور کامرانی ان کا مقدر بن جائے گی۔ اس لیے کہ جب دین ضابطۂ قانون بن جاتا ہے تو انسان پر انسان کا تسلط، غلبہ اور اس کے نتیجے میں استحصال ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقت اولی الامر جب امر یعنی قانون نافذ کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو مقدم رکھیں گے جس کی رو سے کوئی انسان کسی کا غلام نہیں ہو گا۔ اللہ رب العالمین کی پرورش کا نظام جو سب کے لیے یکساں ہے، اس سے تمام انسانوں کے لیے زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری سرانجام دیں گے۔ سورۃ فاتحہ میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ کے ساتھ ہی الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ آیا ہے،

یعنی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا نظام اس کی مخلوق کے لیے رحمت کا سبب ہے۔ اس لیے اللہ کا امر نافذ کرنے والے اسی طرح سے نظام خداوندی کے اتباع میں پرورش اور رحمت کے اسباب مہیا کریں گے۔

غلبہ و اقتدار اور قانون و اختیار کے متعلق قرآن حکیم نے سورۃ انفطار میں تصریح کر دی ہے جہاں کہا ہے کہ: مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ (آیت:۱۸) "تجھے کیا معلوم کہ یَوْمُ الدِّیْنِ کیا ہے۔" جواب میں کہا کہ: يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ (آیت:۱۹) "جس دن میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے لیے کچھ اقتدار و اختیار نہیں رکھے گا اور تمام معاملات پر غلبہ و اختیار صرف اللہ کا ہی ہو گا۔"

سورۃ ممتحنہ کی آیت ۸ اور ۹ میں دین کے حوالہ سے دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات کا دائرہ بتایا گیا ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹﴾ (الممتحنۃ:۹-۸)

"اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملے میں نہ تم سے جنگ کی ہے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ اللہ بس ان لوگوں سے تم کو موالات کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہے۔ اور جو اس طرح کے لوگوں سے دوستی کریں گے تو وہ اپنے ہی اوپر ظلم ڈھانے والے بنیں گے۔"

آیات مذکورہ میں مسلمانوں کے اقوام عالم کے ساتھ تعلقات کا فارمولا واضح کیا گیا ہے کہ جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا آپ ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور انصاف کا رویہ رکھیں گے۔ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ ؕ کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔ برّ کی معنی صلۂ رحمی، نیکی، احسان اور ادائے حقوق کے ہیں اور اقساط کے معنی عدل و انصاف کرنے کے ہیں۔ یعنی انسانیت کے حقوق میں جس کے جو حقوق واجب ہیں وہ پوری طرح ادا کیے جائیں۔

ان آیات میں واضح فرما دیا ہے کہ جب دین کے مسئلہ میں وہ جنگ کرنے والے ہوں، جبر کرنے والے ہوں اور آپ کو اپنے گھروں سے نکالنے والے ہوں تو اس وقت ان سے ترک موالات ہونگے۔ خاندانی، سرحدی یا دیگر قومی مفادات کے معاملات میں آپ ان سے صلح و سانت کے ساتھ رہیں گے اور ان معاملات میں حسن سلوک اور انصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔ آپ چونکہ انسانیت کے لیے مثالی نمونہ کا کردار ادا کرنے والے ہیں اسی لیے احسان، نیکی اور انصاف کا دامن ہاتھ سے ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔

قرآن حکیم نے یہاں برّ یعنی نیکی اور قسط یعنی عدل و انصاف دونوں اقدار کی طرف توجہ دلائی ہے۔ نیکی ہر حال میں ہر انسان سے کرنی ہے وہ ایسا عمل ہے جس کا انحصار اس شخص کے رویہ پر نہیں ہوتا جس کے ساتھ نیکی کی جاتی ہے۔ ایک شخص ضرورتمند ہے، مدد کا محتاج ہے تو اس کی مدد کرنا مسلمانوں کا ہر حال میں اخلاقی فرض ہے۔ اسی طرح عدل و قسط یہ قوموں کے اجتماعی معاملات میں ایک طرح کی نیکی ہے جس کو ہر حال میں قائم رکھنا چاہیے اور جو لوگ اس کو قائم رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو محبوب رکھتا ہے۔

مذہب کا لفظ قرآن حکیم میں کہیں نہیں آیا۔ اس لیے اسلام کو مذہب نہیں کہنا

چاہیے۔ دین ہی کہنا چاہیے۔ لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ عرف عام میں ریلیجن، مذہب کا استعمال بیحد پاپولر ہونے کی وجہ سے مؤلفین مذہب کے لفظ کو دین کی جگہ پر استعمال کرتے آئے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم نے جو دین کا اسکوپ اور دائرہ متعین کیا ہے مذہب کا لفظ اس کی نمائندگی نہیں کرتا۔ مذہب اور اس کا جمع مذاہب کا استعمال مسلمانوں کے مختلف گروہوں مسالک کی تشریحات میں سامنے آیا جیسے معتزلہ کا مذہب اور فلاں فقہہ کا مذہب فلاں مسئلہ میں اس طرح ہے۔ اس لیے مذہب اس راستے کو کہتے ہیں جو انسانوں کا وضع کردہ ہو اور دین اس قانون یا نظام کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے ملا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب میں مختلف فرقے ہوتے ہیں لیکن دین میں فرقہ سازی کو شرک قرار دیا گیا ہے۔ (سورۃ الروم: ۳۲-۳۱) قرآن حکیم نے بتایا ہے اللہ کا دین اس لیے تھا کہ انسانذات کا تفرقہ اور اختلاف دور ہو۔ اس لیے نہ تھا کہ تفرقہ اور نزاع کی علت بن جائے۔ اس سے بڑھ کر اور گمراہی کیا ہو سکتی ہے کہ جو چیز تفرقہ دور کرنے کے لیے آئی تھی، اسی کو تفرقہ کی بنیاد بنا دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جب دین صرف اسلام ہی کو قرار دیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اسی وضاحت اور علم آجانے کے بعد اگر لوگوں نے اپنا اختلاف قائم رکھا تو یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

(آل عمران: ۱۹)

”بلا شبہ الدین اللہ کے نزدیک السلام ہی ہے اور یہ جو اہل کتاب نے آپس میں اختلاف کیا اور گروہ بندیاں کر کے الگ الگ دین بنا لیے تو اس لیے کہ علم پانے کے بعد وہ

اس پر قائم نہیں رہے اور آپس کی ضد اور عناسے الگ الگ ہو گئے۔ اور (یاد رکھو!) جو کوئی اللہ کی آیتوں سے انکار کرتا ہے اور (ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتا ہے) تو اللہ (کا قانون جزاء) بھی حساب لینے میں سست رفتار نہیں۔"

یہ دین آفاقی صورت میں پوری انسانیت کی سلامتی کا ضامن بنا کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی۔

وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾ (الحج:۷۸)

"اور اللہ کی راہ میں جان لڑا دو، اس کی راہ میں جان لڑا دینے کا جو حق ہے پوری طرح ادا کرو۔ اس نے تمہیں برگزیدگی کے لیے چن لیا۔ تمہارے لیے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی۔ وہی طریقہ تمہارا ہوا جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا۔ اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا۔ پچھلے وقتوں میں بھی اور اس (قرآن) میں بھی۔ اور یہ اس لیے کیا تاکہ رسول تمہارے لیے (حق) کا گواہ ہو (یعنی معلم ہو) اور تم تمام انسانوں کے لیے۔ پس نماز کا نظام قائم کرو، زکوٰۃ کی ادائیگی کا سامان کرو۔ اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو، وہی تمہارا کارساز ہے۔ اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار!"

پھر ارشاد ہوا کہ دین کے حوالہ سے ہدایت کی راہ گمراہی سے بالکل ممیّز ہو گئی ہے اور وہ روشنی کی صورت میں انسانیت کے سامنے ہے تو اس صورت میں دین میں زبردستی کا خاتمہ کیا گیا:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾

(البقرۃ:۲۵۶)

"دین کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں (کیوں کہ وہ دل کے اعتقاد سے تعلق رکھتا ہے اور جبر و تشدد سے اعتقاد پیدا نہیں کیا جا سکتا)۔ بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو گئی ہے (اور اب دونوں راہیں لوگوں کے سامنے ہیں، جسے چاہیں اختیار کریں)۔ پھر جو کوئی بھی طاغوت سے انکار کرے (یعنی سرکشی و فساد کی قوتوں سے بیزار ہو جائے) اور اللہ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اس نے (فلاح و سعادت کی) مضبوط ٹہنی پکڑ لی۔ یہ ٹہنی ٹوٹنے والی نہیں (جس کے ہاتھ آ گئی وہ گرنے سے محفوظ ہو گیا) اور (یاد رکھو!) اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔"

چونکہ انسانی اعمال کے غلط اور صحیح ہونے کا معیار بھی یہی کتاب ہے اس لیے اعمال کے نتائج یعنی جزا اور سزا اس کی رو سے متعین ہوتے ہیں۔ اسی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣﴾ (الفاتحہ:۳) میں دین کے معنی اعمال کا بدلہ یا حساب کتاب ہیں۔ سورۃ نور میں ہے: يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ (آیت ۲۵) "اس دن اللہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ انہیں دے گا، ایسا بدلہ جو ٹھیک ٹھیک انہیں ملنا چاہیے۔" یہاں بھی دین کا مطلب مکافاتِ عمل ہی ہے۔ جس دور میں انسان اپنے آپ کو اس نظام کے تابع لے آئیں گے وہ تمام دوسرے انسانوں کی محکومی سے آزاد ہو کر صرف قوانین خداوندی کے محکوم ہونگے۔ اس لیے کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اللہ کے سوا اور کوئی نہیں۔

اسی صیغہ میں لفظ دَیْنٌ بھی ہے جس کی معنی قرضہ ہے۔ اور تَدَایَنٌ ایک دوسرے سے قرضہ کا معاملہ کرنا ہے۔ (البقرہ: ۲۸۲) دَیْنٌ اس قرض کو کہتے ہیں جس کی ادائگی کے لیے مدت مقرر کی جائے۔ جس قرض کے لیے مدت متعین نہ ہو وہ دَیْنٌ نہیں بلکہ قَرْضٌ کہلاتا ہے۔ (تاج العروس) محیط المحیط میں یہ بھی لکھا ہے کہ عرف عام میں دَیْنٌ اس قرضے کو کہتے ہیں جو مدت معینہ کے لیے سود پر دیا جائے۔ لیکن قرآن حکیم نے چونکہ ربوا کو حرام قرار دیا ہے اس لیے اس میں مسلمانوں کے باہمی لین دین میں دَیْنٌ کا لفظ قرض بلا سود کے لیے ہی ہے۔